

پارلیمنٹ کا جہانی اختیار.. اور 'شرعی' عذر لنگ

دو شبہوں پہ بات کرنا ابھی باقی ہے۔

1- آیات اور احادیث کا معنی و مراد متعین کرنے کا اسلام جو انسانوں کو حق دیتا ہے، یہ

پارلیمنٹ کے 'حق قانون سازی' پر کہاں تک پردہ ڈال سکتا ہے؟

2- شریعت کے بے شمار مسائل کے فہم و استنباط میں فقہائے اسلام کے ہاں جو اختلاف

ہوا ہے اس کا فائدہ اٹھا کر 'سلطانی جمہور' کا رائج عام عقیدہ ثابت کر دیا جانے کی کہاں تک

گنجائش ہے؟

بنیادی طور پر یہ دونوں شبہے ایک ہی مغالطے سے جنم پاتے ہیں:

1- آیات و احادیث، یعنی شرعی نصوص کا معنی و مراد متعین کرنا، اور

2- شرعی مسائل کے فہم و استنباط میں فقہائے اسلام کے ہاں جو اختلاف ہوا ہے، اس

میں قول راجح کا تعین کرنا۔

سوال یہ ہے کہ یہ دونوں کام کون کرے؟ ہمارے جدت پسندوں کا کہنا ہے کہ اس پر پارلیمنٹ کا حق تسلیم کر لیجئے! بلکہ ان کا کہنا ہے کہ پارلیمنٹ کا یہ حق تو از خود ہے۔ شرعی مسائل کے اندر پائے جانے والے 'اختلاف' اور 'ابہام' کا جو ازالہ ضروری ہے ___ اور جو کہ صرف پارلیمنٹ کر سکتی ہے! ... اس کو آپ اب اس بات کی دلیل تسلیم کیجئے کہ خدا اور رسول کے بات کر دینے کے بعد بھی بہت کچھ کہنے سننے کی گنجائش ہے اور پارلیمنٹ اگر خدا اور رسول کا فیصلہ ہو جانے کے بعد کوئی فیصلہ کرنے کا حق رکھتی ہے تو یہ کوئی بے وجہ نہیں بلکہ 'قومی وجوہات' کے ساتھ ساتھ اس کی بہت سی 'شرعی وجوہات' بھی ہیں!!

ایک غلط بات کو ثابت کرنے کے لیے آدمی ایک غلط دلیل دے تو بھی وہ کسی وقت قابل عذر مانا جاسکتا ہے مگر یہ تو 'غلط دلیل' کا درجہ بھی نہیں رکھتی۔ 'غلط دلیل' میں بھی کچھ نہ کچھ وزن ہوتا ہے۔ بے شک یہ 'حجت' ہمارے بعض تعلیم یافتہ اور جدت پسندوں کی جانب سے پیش کی جاتی ہے اور یہ کہتے ہوئے ہم واقعتاً معذرت خواہ ہیں مگر اس کو 'غلط دلیل' ماننا بھی اس گمراہی کو کچھ وزن دینے کے مترادف ہے۔ ڈھکوسلہ یا ایک گمراہ کن حربہ کے سوا اس کو کوئی اور نام دیا ہی نہیں جاسکتا۔

پارلیمنٹ، جیسے ہم پیچھے کہہ آئے، دور حاضر کا ایک باقاعدہ طاغوت ہے۔ 'پارلیمنٹ کا اختیار' آج کی اس جاہلی دنیا کا ایک معروف واقعہ ہے جسے یہ دنیا ایک بدیہی مسلمہ ماننے لگی ہے۔ جاہلی دنیا کے لیے یہ ایک مسلمہ ہے تو دوسری طرف دین اسلام میں "اللہ اور رسول" کا مقام بہت واضح ہے اور اسلام کی حقیقت کو جاننے والوں کے ہاں سب سے بڑا بدیہی مسلمہ کا

درجہ رکھتا ہے۔ ان دونوں میں اتنا واضح تضاد ہے جو سات پردوں میں چھپائے نہ چھپے۔ ایک طرف ”اللہ اور رسول کا اختیار“ ہے جو دین اسلام میں اس قدر واضح ہے کہ کسی دلیل اور حوالے تک کا محتاج نہیں۔ دوسری طرف ’پارلیمنٹ کا اختیار‘ ایک ایسی عالمی حیثیت اور حوالہ رکھتا ہے کہ محتاج بیان نہیں۔ اپنے ’سمجھداروں‘ نے اس بعد المشرقیں کو ختم اور ان دو انتہاؤں کو ایک کر دینے کا جب سے فیصلہ فرمایا ہے تب سے یہ ایک بڑے خلجان میں مبتلا ہیں۔ اب یہ سمجھ نہیں پاتے کہ ان میں ’توازن‘ کیونکر قائم کریں۔ بلکہ یوں کہیے ’توازن‘ تو یہ اپنے انداز سے قائم کئے ہوئے ہیں البتہ اس کے ’دلائل‘ دیتے ہوئے یقیناً یہ ایک جھنجھلاہٹ محسوس کرتے ہیں۔

دراصل یہ ایک مکابہ ہے مگر دنیا کے کسی مکابرنے بھی آج تک کبھی یہ تسلیم نہیں کیا کہ اس کے پاس اپنی غلط بات کا کوئی ثبوت نہیں۔

اب ان کے سامنے سوال یہ تھا کہ پارلیمنٹ کی اس عالمی حیثیت کو بچانے اور پارلیمنٹ کے عالمی طور پر مانے جانے والے ان باطل اختیارات اور امتیازات کو برقرار رکھنے کے لیے دین اسلام میں رخنہ کہاں تلاش کیا جائے۔ بات بنے نہ بنے البتہ کہنے کے لیے ضرور کچھ پاس ہو۔ ’اللہ اور رسول‘ کا شریعت میں جو مقام ہے اس کو صاف چیلنج کرنا تو صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب آدمی سیدھا سیدھا اسلام کو ’مذہب‘ ماننے تک سے انکار کر دے جو کہ اندریں حالات ممکن نہیں۔ اب آدمی ’اللہ اور رسول کے اختیار‘ کا بھی بظاہر انکار نہ کرے اور پارلیمنٹ کے عالمی طور پر (Universally) مانے گئے اختیار کو بھی عملاً برقرار رکھنا چاہے تو

ان دو باتوں میں 'جمع و تطبیق' کی کیا صورت ہے؟

اس کی یہ صورت نکالی گئی کہ 'اللہ اور رسول' کا مقام تو بہت واضح ہے اور ہر شہہ سے بالا ہے مگر 'اللہ اور رسول' کی بات واضح نہیں! معاذ اللہ۔ لہذا اللہ اور رسول نے شریعت کی زبان میں جو کوئی بات کی ہے اس کے معنی و منشا کا تعین پارلیمنٹ کرے گی!

یعنی جس رخنہ کی تلاش تھی وہ مل گیا۔ پیر رکھنے کی جگہ چاہیے تھی سو وہ مل گئی۔ اس 'دلیل' سے اونٹ کا سر اندر آ گیا اب دیکھیے پورا اونٹ کس طرح اندر لایا جاتا ہے...

چونکہ آیات اور احادیث کے معنی و مفہومات میں ایک بڑا تنوع پایا جاتا ہے اور بسا اوقات تو بعض شرعی دلائل کے ثبوت میں ازالہ تعارض تک کی احتیاج ہوتی ہے... اور یہی وجہ ہے کہ فقہائے اسلام میں بے شمار شرعی مسائل کے ثبوت میں اور ان کے فہم و استنباط میں ایک بڑا اختلاف پایا گیا ہے... اور چونکہ نصوص شریعت کے منشا و مفہوم کا تعین ایک انسانی عمل ہے لہذا پارلیمنٹ کا یہ استحقاق آپ سے آپ ثابت ہوا کہ وہ ان فقہی اختلافات کے مابین قول راجح کا تعین کرے!

اس 'دلیل' کا حق تو یہ تھا کہ شریعت کے جن مسائل میں فقہائے اسلام کا کبھی کوئی 'اختلاف' نہیں ہوا ہے اور جن مسائل میں شرعی دلائل کے اندر کہنے تک کو کوئی 'تعارض' نہیں... مثلاً سود کی حرمت یا فحاشی اور عریانی کی ممانعت وغیرہ... ان مسائل میں پارلیمنٹ کا ذرہ بھر اختیار تسلیم نہ کیا جاتا بلکہ ایسا اختیار روارکھے جانے کی صورت میں سیدھا سیدھا پارلیمنٹ کو طاعوت مانا جاتا اور کم از کم ان مسائل میں اللہ اور رسول کی بات آپ سے

آپ قانون کا درجہ رکھتی... مگر نہیں۔ شریعت کے اختلافی مسائل میں پارلیمنٹ کا اختیار ثابت کرنے کا فائدہ ہی کیا۔ اصل مقصد تو پارلیمنٹ کا اختیار 'اختلافی معاملات' میں نہیں 'سب معاملات' میں ثابت کرنا تھا۔ 'شریعت کے اختلافی مسائل' تو اس کے لیے ایک آڑ تھی۔ یہ 'دلیل' ہوتی تو اختلافی مسائل تک ہی محدود رہتی مگر یہ دلیل نہیں سہارا ہے۔ حربہ ہے۔ سہارے کے لیے کچھ بھی پکڑا جا سکتا ہے۔ حربہ جو بھی چل جائے۔ آپ خود اندازہ کر لیجئے پارلیمنٹ کے اختیارات کے لیے دلیل 'اختلافی مسائل' کی اور ثبوت 'جملہ مسائل' کا!!!

ہوتے ہوتے اس 'دلیل' کا مدعا یہ ٹھہرا کہ چونکہ شریعت کی نصوص میں 'کہیں کہیں' اختلافات اور تعارض 'بھی' پایا جاتا ہے اس لئے شریعت کے 'سب مسائل' پارلیمنٹ کی منظوری کے محتاج رکھے جانے چاہئیں!!!

چنانچہ اب جو کوئی پوچھے کہ احکم الحاکمین کے ہاں سے خاتم المرسلین ﷺ پر جو ایک شریعت اتری تھی وہ کیا ہوئی اور اس کی آپ کے ہاں صرف 'مذہبی' حیثیت ہے قانونی حیثیت وہ آپ سے آپ نہیں رکھتی بلکہ قانونی حیثیت پانے کے لیے قرآن کی ایک واضح ترین آیت کو بھی بیسیوں سال تک پارلیمنٹ کی 'منظوری' کی احتیاج رہتی ہے؟ تو اس کا سادہ جواب یہ ہے کہ اس میں قصور پارلیمنٹ کے اختیار کا نہیں بلکہ شرعی نصوص کے اپنے ہی اندر کہیں کہیں پر 'ابہام' یا 'تعارض' یا 'اختلاف' پائے جانے کا جو امکان پارلیمنٹ نے کہیں سے سن رکھا ہے وہی اس بات میں مانع ہے کہ خدا کے اتارے ہوئے کو آپ سے آپ قانونی حیثیت حاصل ہو۔ لہذا خدا کے اتارے ہوئے کو آپ سے آپ جو حیثیت حاصل ہوگی وہ اس کی مذہبی حیثیت ہے۔

البتہ شریعت کی کسی بات کا قانون ہونا ___ قطع نظر اس کے کہ وہ اپنے ثبوت اور اپنی دلالت میں کتنی بھی واضح اور قطعی ہے ___ پارلیمنٹ کے فیصلے پر موقوف ہے!

شرعی نصوص میں 'ابہام' اور 'تعارض' اور 'اختلاف' !!!

گویا اس مسئلہ کا سامنا پہلی بار بس ہمیں ہی ہوا ہے۔ سوال یہ ہے کہ صحابہ کے ہاں ما انزل اللہ کی کیا حیثیت تھی؟ شرعی نصوص کے اندر جو 'ابہام' یا 'تعارض' یا 'اختلاف' آج ہمیں نظر آتا ہے کیا وہ آج ہی جا کر پیدا ہوا ہے؟ اور کیا اس 'ابہام' یا 'تعارض' یا 'اختلاف' کے باعث صحابہؓ کے ہاں بھی ایسا ہی تھا کہ ما انزل اللہ کو صرف 'مذہبی تقدس' ہی حاصل ہو البتہ قانونی حیثیت پانے کے لیے اس ما انزل اللہ کو کسی اور ہستی یا مجلس یا ہاؤس کی منظوری کا محتاج ہونا پڑے!؟

حتیٰ کہ ایک صحابہؓ کے دور پر ہی کیا موقوف، اموی اور عباسی دور خلافت تک دیکھ لیجئے جو کہ یقیناً اسلام کے مثالی ادوار نہیں۔ حکمرانوں کی دھونس اور دھاندلی اور لا قانونیت اور شخصی تجاوزات و مظالم کو ایک طرف رکھ دیجئے قانون عام جس کی عدالتیں پابند ہوا کرتی تھیں اور جس کے مطابق رعایا کے مابین فیصلہ کرنے کے قاضی مکلف ہوا کرتے تھے، کیا تھا؟ اسلام کے ان سب ادوار میں کیا واقعتاً ما انزل اللہ کو بس صرف 'مذہبی تقدس' حاصل ہوتا تھا اور جب تک کسی مخلوق کی طرف سے 'پاس' نہ کر دیا جائے تب تک وہ ہر قسم کی قانونی حیثیت سے یکسر محروم رہتا تھا؟؟؟

اسلام کے ان تمام ادوار میں مسلم معاشروں کے اندر ما انزل اللہ کی 'مذہبی' اور

’قانونی‘ حیثیت میں کبھی بھی تمیز نہیں کی گئی۔ ایک چیز شریعت سے اگر واضح نہیں یا کسی چیز کا ثبوت اگر شریعت سے نہیں ملتا تو وہ ’مذہبی تقدس‘ بھی نہ پاتی تھی مگر جب وہ ’مذہبی تقدس‘ پالیتی تھی تو اس کی قانونی حیثیت خود بخود مسلم ہوتی تھی۔ ان دو باتوں میں تفریق صرف اسی دن کی گئی جس دن ہمارے معاشروں کو سیکولرزم کی اوپر تلے خوراکیں دی گئیں اور ان معاشروں کی تشکیل مغرب کے دیے ہوئے نقشے پر کرنے کی بنیاد ڈالی گئی۔

رہا یہ کہ ما انزل اللہ کا معنی و مراد اور منشا و مفہوم کا تعین ضروری ہے تو یقیناً صحابہؓ کا معاشرہ اور اموی اور عباسی دور کے معاشرے ما انزل اللہ کا منشا و مراد متعین کئے بغیر ہی اس پر عمل پیرا نہیں ہو جایا کرتے تھے۔ مگر ہمارے اور ان کے ’نظام‘ میں فرق یہ ہے کہ وہ ما انزل اللہ کا صرف معنی و مراد اور منشا و مفہوم متعین کرتے تھے اور اس کا علمی بنیادوں پر اور علمی مصادر سے جو معنی و مراد متعین ہو جائے اس پر ایمان لانا اور اس پر ’سمع‘نا و ’أطع‘نا کہنا ان کے ہاں آپ سے آپ لازم ہو جاتا تھا۔ یہی اُن کا آئین تھا اور یہی طرز عمل ’اسلام‘ کہلاتا ہے... البتہ ہمارا نظام اس کو باقاعدہ ’پاس‘ ہونے کا ضرورت مند جانتا ہے اور اگر یہ اس کو ’پاس‘ نہ کرے تو ما انزل اللہ چاہے کتنا بھی واضح ہو بس ’مذہب‘ ہوتا ہے ’قانون‘ نہیں!

ما انزل اللہ کو قانون مانتے ہوئے اس کا معنی و مراد متعین کرنا ایک بات ہے اور ما انزل اللہ کا قانون مانا جانے کے لیے پارلیمنٹ کے ہاتھوں ’پاس‘ ہونے کا محتاج رہنا بالکل ایک الگ بات۔ یہ واضح طور پر دو مختلف واقعے ہیں۔ دو مختلف اور متضاد طرز عمل ہیں۔ اس قدر مختلف ہیں کہ ان میں ایک بعد المشرقیں ہے۔ مگر دیکھ لیجئے ہمارے یہاں کیسا خلط مبحث

ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ خلطِ مبحث کسی علمی یا فنی نکتے کے روپوش ہو جانے کے باعث نہیں بلکہ ایمان اور تسلیم کی حقیقت واضح نہ ہونے کے باعث ہے۔ کاش کہ یہ لوگ جانتے کہ آسمان سے رسول پر جو نازل ہوتا ہے، جس وحی کے لیے آسمان کے دروازے کھلتے ہیں اور جس وحی کو دے کر زمین کی جانب فرشتے دوڑائے جاتے ہیں اور جس کے لیے رسول کی بعثت عمل میں لائی جاتی ہے اور جس کے آگے سر تسلیم خم کرنے پر جنت اور جہنم کا فیصلہ ہونا ہے وہ کتنی بڑی حقیقت ہے اور اس کا کیا مرتبہ اور مقام ہے۔

جہاں تک کسی معاملہ میں ما انزل اللہ کا معنی و مراد متعین کرنے کی بات ہے تو یہ عشروں اور صدیوں کا کام نہیں۔ **انما شفاء العی السوال¹** اہل علم سے رجوع اس مسئلہ کا بہت سادہ اور آسان حل ہے۔ مگر جہاں تک ما انزل اللہ کو (معاذ اللہ) 'پاس' کرنے کا تعلق ہے تو اس کا حساب ضرور عشروں اور صدیوں میں کیا جاسکتا ہے۔ ہمارا مسئلہ دراصل یہی ہے۔

اللہ اور رسول کی بات کو قانون مانتے ہوئے اس کا معنی و مراد سمجھنا ایک خوئے بندگانہ ہے۔ البتہ اللہ اور رسول کی بات کو 'منظوری' دینے کا مجاز ہونا ایک سرکش فعل۔

اللہ اور رسول کی بات کا منشا و مراد متعین کرنے میں غلطی تک کا ہو جانا ___ بشرطیکہ غلطی کرنے والا اجتہاد کی اہلیت رکھتا ہو ___ معاف ہے بلکہ ایسی غلطی پر بھی وہ ایک نیکی پانے کا حق رکھتا ہے... مگر اللہ اور رسول کی بات کو 'پاس' کرنا ایک بالکل مختلف طرز عمل ہے جس کا

¹ یہ جملہ حدیث کی ایک عبارت سے ماخوذ ہے: "لا علمی کا مداوا، بس یہی تو ہے کہ آدمی کسی (علم والے)

سے پوچھ لیا کرے" (مسند احمد و سنن ابی داؤد)

کہ تسلیم و انقیاد اور اذعان و اطاعت سے کوئی دور کا بھی واسطہ نہیں۔

ما نزل اللہ کا منشا و مراد جاننا ایک ایمانی رویہ اور ایک فرماں بردارانہ طرز عمل ہے۔ البتہ اس کو منظوری دینے یا نہ دینے کا حق رکھنا ایک خدائی طرز عمل۔ اس خدائی طرز عمل رکھنے کا نام ہی شرعی اصطلاح کی رو سے 'طاغوت' ہونا ہے۔ ورنہ شرعی نصوص کا معنی و مراد متعین کرنے پر اعتراض ہی کس نے کیا ہے؟! جس چیز میں غلطی کا ہو جانا خدا کی طرف سے معاف ہے بلکہ اس غلطی پر آدمی کو ___ بشرطیکہ وہ اجتهاد کی اہلیت رکھتا ہو ___ ایک نیکی ملنے تک کا وعدہ ہے اور درستی ہونے پر دو نیکیوں کا... اس چیز میں اختلاف پھر حرام کیونکر ہو سکتا ہے؟ یہاں سے شرعی نصوص کے فہم و استنباط اور اثبات و استشہاد میں اختلاف ہو جانے کی بھی پوری گنجائش نکلتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شرعی نصوص کے فہم و استنباط میں صحابہؓ کے اندر اختلاف ہوا۔ بعد کے ادوار میں بھی فقہاء کے مابین اختلاف رہا مگر یہ کبھی بھی اس بات کی دلیل نہ بنی کہ اب اس امر کے باعث شریعت کو 'قانونی حیثیت' سے ہاتھ دھونے پڑ جائیں... اور یہ کہ اس بنا پر شریعت کو صرف 'مذہبی تقدس' پر ہی گزارا کروایا جائے!!! اس بات کا اس بات سے کیا تعلق؟! یہ تو سیکولرزم کی دین ہے اور یہی اصل آفت۔

صحابہ اور بعد کے ادوار میں شریعت کی نصوص کا معنی و مراد متعین کرنے کی بھی ضرورت مانی گئی اور شریعت کے منشا و مراد کے تعین میں ان کے مابین کہیں کہیں آپس میں اختلاف آراء بھی ہوا اور بحث بھی ہوئی اس کے باوجود اللہ کی شریعت کے سوا ان کے ہاں کوئی

قانون نہ تھا۔ جب یہ طے ہو کہ اللہ اور رسول کی بات کے سوا کوئی چیز قانون نہیں تو اللہ اور رسول کی بات کی منشا متعین کرنے میں کچھ بھی وقت نہیں لگتا۔ صحابہ نے یہ بات طے کر لی تھی۔ بلکہ یہ طے کر کے ہی وہ مسلمان ہوئے تھے۔ مسلم معاشرے اس کے بعد بھی صدیوں تک ’قانون‘ کے نام سے صرف ایک ہی چیز سے واقف رہے اور وہ تھی شریعتِ اسلام۔ شریعت کی خلاف ورزی جب کبھی حکمرانوں کی طرف سے ہوتی تھی اور جن معاملات میں ہوتی تھی وہ ’لا قانونیت‘ کے زمرے میں آتے تھے۔ ’لا قانونیت‘ (قانونِ شریعت کی خلاف ورزی) محض فسق ہے البتہ شریعت سے متصادم کسی بات کا بجائے خود ’قانون‘ ہونا کھلا کھلا کفر۔

پس حضرات! یہ تو بہت سادہ مسئلہ ہے۔ اگر آپ اس پر ایمان لے آتے ہیں کہ قانون صرف وہ ہے جو مالک الملک کے ہاں سے محمد ﷺ پر نازل ہوا، اور یہ کہ اس کے سوا کوئی چیز ’قانون‘ ہو ہی نہیں سکتی اور نہ اس کے سوا کسی چیز کی رو سے آپ کی عدالتیں فیصلہ کر سکتی ہیں... تو پھر اللہ اور رسول کی بات کی منشا متعین کرنے پر تو کچھ بھی وقت نہیں لگتا۔ یہ تو دو منٹ کا کام ہے۔ پارلیمنٹ میں آپ کی بحثیں اس سے کہیں زیادہ وقت لیں گی جتنا وقت آپ کو وقت کے علمائے مجتہدین سے کسی معاملے میں اللہ اور رسول کی بات کی منشا و مراد دریافت کرنے میں لگے گا!

☆☆☆☆☆

شرعی نصوص میں ’ابہام‘ یا ’تعارض‘ کا دعویٰ اس بات کی دلیل بنے کہ شریعت

’مذہب‘ تو آپ سے آپ ہو البتہ ’قانون‘ نہیں... ایسے حربے صرف ان معاشروں میں کامیاب ہوتے ہیں جن پر ’اسلام‘ اور ’بندگی‘ کی حقیقت واضح نہ ہو۔

لے دے کر بات یہیں پر آجاتی ہے کہ اپنے یہاں آپ کو اسلام شناس معاشرے کھڑے کرنے پر محنت کرنا ہوگی۔ اسلام شناس معاشرے جو اللہ اور رسول کا حق جانیں۔ اللہ اور رسول کا ’حق‘ جاننے کے بعد ہی دوسروں کا ’ناحق‘ سمجھ آسکتا ہے۔ جہاں تک حکمرانوں کے شخصی تجاوزات اور بالائے قانون اقدامات اور ان کے آمرانہ رویوں کی بات ہے تو وہ اسلام شناس معاشروں میں بھی واقع ہو جاتے رہے ہیں البتہ باطل کو ’دلائل‘ سے ثابت کرنے کا واقعہ اسلام شناس معاشروں میں کبھی پذیرائی نہیں پاسکتا۔

البتہ جس معاشرے میں باطل کو ’دلائل‘ ملنے لگیں، سمجھ لیجئے اس کی تشکیل یا اس کی تعمیر میں کوئی بڑا رخنہ آچکا ہے۔ اسلامی تحریکوں کے لیے کرنے کا کام تب بہت واضح ہو جانا چاہیے۔ بصورت دیگر آپ ایک ’دلیل‘ سے نکل کر دوسری میں پڑیں گے اور دوسری سے فارغ ہوئے بغیر کوئی تیسری ’دلیل‘ آپ کی منتظر ہوگی۔ تب باطل کے جسم پر جا بجا ’دلائل‘ نمودار ہو جائیں گے اور ان کو ’چھیڑنا‘ جرات اور بے دردی کا کام سمجھا جائے گا۔

معاشرے کو عقیدہ کی تعلیم دینا بہت سے مسائل کا حل ہے !!!

☆☆☆☆☆

یہاں اب کچھ اصولی مباحث کا واضح کر دیا جانا ضروری ہو جاتا ہے... آسانی بحث کے لیے ہم اس گفتگو کو دو حصوں میں تقسیم کر لیتے ہیں۔

1) شریعت کا ایک بنیادی حصہ وہ ہے جو اپنی دلالت اور ثبوت میں قطعی ہے اور جس میں فقہاء کے مابین کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا۔ کسی نظام کو اگر اللہ اور رسول پر ایمان رکھنے کا دعویٰ ہے تو شریعت کا یہ حصہ تو کسی بھی اضافی وضاحت کے بغیر آپ سے آپ ’قانون‘ ہے اور اس سے متصادم ہر چیز آپ سے آپ ’لا قانون‘ اور کالعدم۔

شریعت کے اس حصہ کو معلوم من الدین بالضرورة کہا جاتا ہے۔ اختصار کے لیے، ان کو ”ضروریات دین“ بھی کہتے ہیں۔ یعنی وہ امور جن کا ”دین اسلام“ ہونا ہر کسی کو لازماً معلوم ہونا لازمی ہے۔ مثلاً نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج وغیرہ کی فرضیت۔ جہاد اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا وجوب۔ چوری، زنا یا شراب خوری وغیرہ پر حد کا واجب ہونا۔ قصاص اور دیت وغیرہ کا فرض ہونا۔ شرک، سود، جوا (لاٹری) فحاشی، عریانی اور بے حیائی کی حرمت۔ کفار سے دوستی و تحالف اور کافرانہ تہذیب کے نشر و اشاعت اور باطل نظریوں اور عقیدوں کی تعلیم عام کرنے کی حرمت وغیرہ وغیرہ۔

شریعت کا یہ پہلو جو اپنے ثبوت اور اپنی دلالت حتیٰ کہ اپنے معلوم و زبان زد عام ہونے میں بے انتہا واضح ہے ___ چاہے قانون کی زبان میں لکھا گیا ہو یا نہ لکھا گیا ہو ___ آپ سے آپ دستور ہے۔ ہر آئین سے بڑا آئین ہے۔ سود کا حرام ہونا کسے معلوم نہیں؟ شراب کی حرمت سے کون ناواقف ہے؟ عورتوں کا بے حیا رقص اور فحش ڈانس جس پر مبنی پروگرام، فلمیں، سینما، ٹی وی، تھیٹر ہر طرف دیکھے جاسکتے ہیں... ان سب کی حرمت اور شاعت سے کون لاعلم ہے؟

یہ ضروریاتِ دین اور مسلماتِ شریعت، ’لکھی ہوئی‘ حالت میں ہوں یا نہ ہوں، آپ سے آپ آئین بھی ہیں اور قانون بھی۔ یہ ہر آئین سے بڑا آئین ہیں اور ہر قانون سے بڑا قانون۔ کئی ایک ملک آج بھی ایسے ہیں جہاں دستور کے بنیادی مسائل باقاعدہ لکھی ہوئی صورت میں نہیں ملتے مگر ان کی کچھ ایسی مسلمہ حیثیت مان لی جاتی ہے کہ وہ ان کے نظام کی اساس شمار ہوتے ہیں۔ شریعت کے یہ بنیادی مسائل جن کو اصطلاحی زبان میں معلوم من الدین بالضرورة کہا جاتا ہے، اور جن کی کچھ مثالیں ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں... شریعت کے یہ بنیادی مسائل ___ قانونی انداز میں لکھے جائیں تب اور اگر نہ لکھے جائیں تب ___ ہر قانون سے بڑا قانون ہیں اور ہر دستور سے بڑا دستور بشرطیکہ آپ کا نظام مسلم یعنی ’فرماں بردار‘ ہو۔ کسی نظام کے ’مسلم‘ یعنی ’فرماں بردار‘ ہونے کی ترتیب بھی واضح ہو:

شریعت کے محکم اور بنیادی مسلمات کا آپ سے آپ قانون تسلیم ہونا ہی وہ چیز ہے جو آپ کے نظام کو ’مسلم‘ کہلانے کا حق دے گا۔ یعنی یہ آپ کا نظام نہیں جو شریعت کے مسلمات کو ’قانونی اسٹیٹس‘ عطا کرے بلکہ یہ شریعت کے مسلمات کا آپ سے آپ قانون تسلیم ہونا ہے جو آپ کے نظام کو ’مسلم‘ ہونے کی سند دے گا۔ ان دو باتوں میں بہت بڑا فرق ہے۔ شریعت کے کسی حکم کو ’پاس‘ کرنے کی نوبت اسی فرق کے روپوش ہو جانے سے آتی ہے۔ ’پاس‘ کرنے کا مطلب ہی یہ ہے کہ شریعت کے مسلمات کا قانون ہونا تا حال مسلم نہیں۔ یعنی دراصل آپ کا نظام ابھی ’فرماں بردار‘ نہیں۔ شریعت کے محکمت اور مسلمات کو اپنی آسانی کے لیے آپ جیسے چاہیں اور جس زبان میں چاہیں اور جتنی

بار چاہیں لکھ لیں۔ اس پر کسی کو کیا اعتراض۔ البتہ شریعت کی یہ حیثیت تسلیم کرنا مسلمان ہونے کے لیے شرط ہے کہ شریعت کے یہ محکمت آپ کے لکھنے سے پہلے قانون ہیں۔ جب سے یہ آسمان سے نازل ہوئے اور نبی ﷺ کی زبان سے ادا ہوئے تب سے قانون ہیں۔ شرعی مسلمات کی اس حیثیت کو مان کر ہی آپ مسلمان ہوتے ہیں۔ پہلے سے جو بات قانون ہے، پتھر پر لکیر ہے، اس کو منظوری دینے کا پھر اب کیا سوال؟ ایک پاس شدہ چیز کو پاس کون کرتا ہے۔ شریعت کے مسلمات خدا کی مقرر کردہ حدیں ہیں، یعنی حدود اللہ۔ ان کو خدا نے پاس کیا ہے۔ آپ اس کی ’منظوری‘ نہیں دیں گے۔ شریعت کے بعض قوانین کی ’منظوری‘ تو یہاں انگریز بھی دے لیتے رہے ہیں۔ آپ کے دعوائے ایمان کا ثبوت یہ نہیں کہ آپ بھی شریعت کے ان مسلمات کو ’منظور‘ کرتے پھریں۔ قانون تو یہ چودہ سو سال پہلے سے ہے بشرطیکہ آپ مسلمان ہیں۔ اس کی ’منظوری‘ کا وقت کبھی نہیں آئے گا البتہ ”اعلانِ فرماں برداری“ کسی بھی وقت کیا جاسکتا ہے...! اس کی حد یہ ہے کہ یا روح حلق میں اٹک جائے، جو کہ کسی بھی وقت ہو سکتا ہے، یا سورج مغرب سے چڑھ آئے، جس کا ایک وقت متعین ہے...

وَقُلْ لِلَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَالْأُمِّيِّينَ أَأَسْلَمْتُمْ فَإِنْ أَسْلَمُوا فَقَدِ اهْتَدَوْا وَإِنْ تَوَلَّوْا

فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ (آل عمران: 20)

”پھر اہل کتاب اور (غیر اہل کتاب) امیوں دونوں سے پوچھو: ”کیا تم بھی اس کی اطاعت و بندگی قبول کر چکے؟“ اگر کر چکے تو وہ راہِ راست پا گئے، اور اگر اس سے منہ موڑا تو تجھ پر صرف پیغام پہنچا دینے کی ذمہ داری تھی۔ آگے اللہ خود اپنے بندوں کے معاملات دیکھنے

والا ہے۔“

اس ترتیب کے واضح ہو جانے سے اگلی بات خود بخود واضح ہو جاتی ہے: بجائے اس کے کہ خدا کے اتارے ہوئے قطعی حلال و حرام اور اس کی ٹھہرائی ہوئی محکم بین حدیں ___ قانون کا رتبہ پانے کے لیے ___ کسی انسانی نظام سے منظوری پانے کی محتاج ہوں... اصل ترتیب یہ ہوگی کہ آپ کا وہ نظام ہی ___ مسلم قرار پانے کے لیے ___ دین کے ان مسلمات اور قطعیات کو حتمی قانون ماننے کا ضرورت مند ہو۔ چنانچہ سوال مسلمات دین میں سے کسی بات کے قانون ہونے یا نہ ہونے کا نہیں رہے گا بلکہ سوال اس نظام کے مسلم (فرماں بردار) ہونے یا نہ ہونے کا اٹھے گا۔ اس سوال کا درست ہو جانا سمجھ لیجئے آدھا کام ہو جانا ہے۔ کیا خیال ہے اگر آپ کا معاشرہ آپ کے نظام کو اس بنیاد پر پرکھنے لگے؟

ہمارے معاشرے توحید کی اس حقیقت کو سمجھ لیں تو وہ اپنے نظام سے سوال یہ نہیں کریں گے کہ وہ شریعت کو کب ’پاس‘ کرتا ہے بلکہ یہ سوال وہ اپنے برسر اقتدار طبقوں سے یوں کریں گے کہ ان کا یہ نظام شریعت کے مسلمات کو بدیہی قانون و بالاترین آئین مان کر مسلمان کب ہوتا ہے؟ تب وہ سوال اس طرح نہیں رکھیں گے کہ شریعت کے کسی معلوم حکم کو ’منظوری‘ ملی یا نہیں بلکہ یہ سوال وہ یوں کریں گے کہ شریعت کے ہر معلوم اور معروف حکم کو حتمی قانون تسلیم کر کے یہ نظام مسلمان ہوایا ابھی اپنے کفر پر ہی مصر ہے۔

”حاکم اعلیٰ“ یعنی احکم الحاکمین ایک چیز کو واضح ترین انداز میں حرام کر دے... اس کی حرمت میں کسی کو ابہام تک نہ رہے... اس کی حرمت کی بابت کسی محدث یا فقیہ نے آج تک

کبھی کوئی کلام نہ کیا ہو... حاکم کیا محکوم، عوام کیا خواص، ان پڑھ کیا پڑھے لکھے سب جانتے ہوں کہ ”حاکم اعلیٰ“ نے ایک بات کو بڑی سختی سے حرام ٹھہرایا ہے حتیٰ کہ اس کو اپنے اور اپنے رسول کے خلاف اعلان جنگ قرار دیا ہے... یعنی ’مذہب‘ میں اس کی کوئی گنجائش نہیں... پھر بھی وہ بات ’قانوناً‘ جائز ہو، سوچئے تو سہی اس کا مطلب کیا ہے؟

یعنی ’مذہبی‘ طور پر ایک چیز کا ”ناجائز“ ہونا ہر شبہ سے بالاتر ہو مگر ’قانونی‘ طور پر اسی چیز کا ”جائز“ ہونا ہر شبہ سے بالاتر ہو!!!!!! یہ واقعہ اسی چیز کو تو ثابت کرتا ہے کہ مسئلہ ”حاکم اعلیٰ“ کی بات واضح ہونے کا نہیں بلکہ مسئلہ ”حاکم اعلیٰ“ کی حیثیت واضح ہونے کا ہے۔ پس مسئلہ اس نظام کے یہاں فرمانِ رب العالمین کی حیثیت واضح ہونے کا ہے نہ کہ فرمانِ رب العالمین کی مراد واضح ہونے کا۔

’حاکم اعلیٰ‘ کے نام سے یہ نظام کسی لقب (Title) سے تو ضرور واقف ہے مگر ’حاکم اعلیٰ‘ کے نام سے یہ کسی خدائے مالک الملک سے آگاہ نہیں، جس کے قول کی ہیبت سے فرشتے ہول کھاتے ہیں۔

چنانچہ شرعی نصوص کے حوالے سے جس ’ابہام‘ یا ’اختلاف‘ کا ہوا دکھایا جاتا ہے اس کا مقصد تو بس یہ ہے کہ لوگ اسی بحث میں الجھ کر رہ جائیں کہ شرعی نصوص تو واضح ہی نہیں! یوں اس نظام پر کی جانے والی تنقید بس یہیں پر اٹک کر رہ جائے اور اندر اس کا کفر پوری طرح بچا رہے۔ لوگ اس کی اس ’حجت‘ سے گزر کر اس سے یہ پوچھ ہی نہ سکیں کہ اچھا جہاں ”حاکم اعلیٰ“ کی بات میں کہنے تک کو تم کوئی ’ابہام‘ یا ’اختلافِ فقہاء‘ نہیں پاتے وہاں ”حاکم اعلیٰ“

کے فرمائے ہوئے کے ساتھ تمہارا کیا طرز عمل ہوتا ہے؟ اس سوال پر یہ لوگ آپ کو کبھی بھی نہ آنے دیں گے۔

(2) شرعی احکام کا دوسرا حصہ وہ ہے جو استنباط اور استدلال پر مبنی ہے۔ متعدد احکام ایسے ہیں کہ ایک آیت یا حدیث سے مسئلہ اخذ کرنے کے معاملہ میں فقہاء کے مابین اختلاف ہوا ہے۔ حتیٰ کہ بہت سی احادیث کی تصحیح اور تضعیف اور ترجیح میں محدثین کے ہاں اختلاف پایا گیا ہے۔ اس کی بنا پر شریعت کی بہت سی تفصیلات میں اہل علم کے ہاں تعدد آراء کا پایا جانا ایک معروف واقعہ ہے۔

حتیٰ کہ شریعت کے مسلمات و متفق علیہ امور ___ مانند نماز، زکوٰۃ، روزہ و حج ایسے فرائض علاوہ ازیں سود، جو اور شراب وغیرہ ایسے محرمات ___ کی بہت سی جزوی تفصیلات بھی اسی زمرے میں آتی ہیں۔

تو کیا اس کا یہ مطلب لیا جائے کہ ان مسائل میں، جن میں فقہاء یا محدثین کے مابین اختلاف ہوا ہے، آپ جو چاہیں کر لیں؟ اور کیا ان اختلافات کا ’نبیڑا‘ کوئی بھی کر سکتا ہے؟ حتیٰ کہ پارلیمنٹ بھی ان کی بابت ’اظہار رائے‘ کر سکتی ہے؟ اور ’قول راجح‘ بلکہ ’قول فیصل‘ بھی صادر کر سکتی ہے؟ یا ان مسائل کے طے کرنے میں بھی شریعت کے کچھ ضابطے ہیں؟

شریعت بذات خود ایک ضابطے کا نام ہے۔ پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اس کے اپنے ہی معاملات کسی قاعدے ضابطے کے بغیر چھوڑ دیئے گئے ہوں!؟

خدا نے اپنے بندوں کی ہدایت کے لیے جو کچھ اتارا ہے اور رسول نے اس کی وضاحت

میں جو کچھ ’بیان‘ کیا ہے۔۔۔ چاہے یہ اس کا وہ حصہ ہو جو تمام اہل علم کے ہاں مسلم اور متفق علیہ ہے اور چاہے یہ اس کا وہ پہلو ہو جس کے سمجھے جانے میں اہل علم کے ہاں تعدد آراء ہوا ہے۔۔۔ اس سارے کے سارے کی اطاعت ہی بندوں پر اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے اندر فرض ہے اور اس کو واجب اطاعت جاننا ایمان دار ہونے کی شرط۔

خدا نے جو ’اتارا‘ اور رسول نے جو ’بیان‘ کیا اس کی اطاعت اس کو جاننے اور اس کی مراد پانے کے بغیر ممکن نہیں۔ البتہ اس کو جاننے کی بابت انسانوں کی دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ انسانوں کو ان دو قسموں میں اس معاملہ کی بابت خود قرآن نے ہی تقسیم کیا ہے۔ ایک ’جاننے والے‘ اور ایک ’پوچھنے والے‘:

فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ (النحل: 43)

”اہل ذکر سے پوچھ لو اگر تم لوگ خود نہیں جانتے۔“

چنانچہ ایک انسان اللہ کے دین کو جاننے کی بابت یا تو ’أَهْلَ الذِّكْرِ‘ (یعنی بتانے والوں) میں شمار ہو گا اور یا پھر ’لَا تَعْلَمُونَ‘ (یعنی پوچھنے والوں) میں۔ ثانی الذکر پر قرآن ہی کی جانب سے یہ فرض عائد ہو جاتا ہے کہ وہ ’أَهْلَ الذِّكْرِ‘ کے پاس یہ پوچھنے آئیں کہ کسی معاملے کی بابت خدا نے کیا اتارا ہے اور رسول نے کیا بیان کیا ہے؟

اب پارلیمنٹ کے وہ اختیارات جو اس کے لیے موجودہ دور میں عالمی طور پر تسلیم کئے گئے ہیں اور جن کی بنا پر وہ خدا کی ہم سر قرار پاتی ہے اس کے یہ اختیارات ایک لمحہ کے لیے نظر انداز کر دیں اور اس کو ذرا دیر کے لیے خدا کے اتارے ہوئے اور رسول کے بیان کئے ہوئے

کے سامنے کھڑا کر دیں... یہ طے کرنے پر آپ کو کتنا وقت لگے کہ اس (شریعت) کو جاننے کی بابت پارلیمنٹ 'أَهْلَ الدِّكْرِ' (یعنی بتانے والوں) میں شمار ہوتی ہے یا 'لَا تَعْلَمُونَ' (یعنی پوچھنے والوں) میں؟ قرآن کی اس تقسیم کی رو سے پارلیمنٹ کو جہاں کھڑا کیا جانا بنتا ہے اس کو وہیں کھڑا ہونا پڑے گا۔ اس تقسیم کی رو سے پارلیمنٹ کو، خدا کے کسی بھی فرماں بردار انسان کی طرح، اہل علم سے رجوع کرنا ہو گا اور ایک خوئے بندگی رکھتے ہوئے دریافت کرنا ہو گا کہ کسی مسئلے کی بابت خدا اور رسول کی کیا منشا ہے... الا یہ کہ پارلیمنٹ خدا کی فرماں برداری پر تیار نہ ہو اور خدا کی بجائے خود قانون صادر کر کے اپنی فرماں برداری کرائے۔

پس شریعت کے طے شدہ معاملات اور متفق علیہ مسلمات کا مسئلہ تو رہا ایک طرف؛ ان کی بابت تو کسی کا خیر اختیار ہی کیسا، وہ مسائل بھی جن کے اثبات یا استنباط میں کہیں کوئی اختلاف ہو ہے وہاں بھی 'پارلیمنٹ' کا البتہ اختیار کیسا؟ لِلّٰهِ الْأَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ۔ کل اختیار خدا کا ہے اور خدا کی بات کا مطلب اور مفہوم متعین کرنے والے اہل علم ہیں نہ کہ وہ جو 'لَا تَعْلَمُونَ' کے زمرے میں آتے ہیں۔

ہاں اگر پارلیمنٹ کی رکنیت پانے کے لیے آپ نے علم شریعت رکھنے کی شرط لگا رکھی ہے (علم شریعت اس پائے کا جو مہمات دین میں استنباط مسائل کے لیے کفایت کرے) تو وہ ایک اور بات ہے (ہم یہاں اس کا مطالبہ بہر حال نہیں کر رہے!) مگر جب ایسا نہیں تو پھر آپ کی پارلیمنٹ کو ___ اگر وہ ایمان کا دعویٰ رکھتی ہے ___ شریعت کا علم رکھنے والوں سے یہ دریافت کرنا ہے کہ کسی معاملے میں خدا اور رسول کی منشا کیا قرار پاتی ہے۔ البتہ اگر وہ انسانی

زندگی کے کسی مسئلے کی بابت اپنی چلانے کا کسی بھی انداز سے اختیار رکھتی ہے۔ چاہے وہ دین کے متفق علیہ مسلمات ہوں یا اختلافی مسائل۔ اور کون نہیں جانتا کہ موجودہ نظام میں پارلیمنٹ یہ حق رکھتی ہے تو پھر پارلیمنٹ کے خدا کا شریک ہونے میں کیا شک باقی رہ جاتا ہے؟ رہی یہ بات کہ فقہی اقوال و آراء میں اختلاف دکھا کر 'پارلیمنٹ کا اختیار' ثابت کر دیا جائے... تو اتنا اندھیرا کر دینے کی اپنے دین میں ہرگز گنجائش نہیں۔ آپ اندھیرا کرنا ہی چاہتے ہیں تو اس میں آپ کو دین اور شرعی دلائل سے مدد لینے کی ضرورت نہیں۔

چنانچہ پارلیمنٹ یا کوئی بھی برسر اقتدار مخلوق جب اہل علم سے یہ پوچھے گی کہ کسی معاملے میں خدا اور رسول کی منشاء و مراد کیا بنتی ہے تو وہ اپنے حق تشریح سے دستبردار ہوتے ہوئے یہ پوچھے گی اور اس کو با اعتماد اہل علم کی جانب سے خدا اور رسول کے حوالے سے جو بات بتائی جائے گی وہ اس کو ماننے کی پابند بھی ہوگی ورنہ خدا اور رسول کی منشاء و مراد پوچھنے کا کوئی مطلب ہی نہیں رہ جاتا۔ چنانچہ خدا اور رسول کی بات چاہے وہ نص ہو یا استنباط کی راہ سے اخذ کی گئی ہو۔ جب اس کو معتمد اہل علم کی جانب سے بتائی جائے گی تو اس کی 'مذہبی' و 'قانونی' حیثیت آپ سے آپ مسلم ہوگی۔

حتیٰ کہ کسی استنباطی یا اجتہادی مسئلہ میں نہ کہ دین کے مسلمات میں اہل علم اگر اپنی اختیار کردہ رائے کے اندر کسی وقت (دلیل کی روشنی میں) کسی تبدیلی کی ضرورت محسوس کریں تو یہ طے کرنا بھی اہل علم ہی کا کام ہوگا۔ غیر اہل علم چاہے وہ پارلیمنٹ ہو یا کوئی اور برسر اقتدار مخلوق پھر بھی اس معاملہ میں کوئی اختیار نہ رکھے گی۔

بلاشبہ مصالح العباد کا ایک بڑا حصہ ایسا ہے جس میں دین کی جانب سے آپ کو آزادی دی جائے گی کہ آپ اپنی ضرورت اور اپنی صورت حال کو پیش نظر رکھ کر کوئی سا بھی ضابطہ اور قانون بنالیں۔ مگر اس کا علم بھی آپ کو اہل علم کی وساطت سے ہو گا۔ اس کا فیصلہ بھی آپ خود نہیں کریں گے کہ کہاں آپ کو کوئی ضابطہ یا قانون بنانے کی آزادی ہے اور کہاں نہیں۔ البتہ جہاں اہل علم کی وساطت سے آپ کو معلوم ہو جائے کہ آپ کچھ 'پاس' کرنے میں شریعت کی طرف سے آزاد ہیں وہاں واقعی آپ پر کوئی قدغن نہ ہوگی۔ خواہ آپ پارلیمنٹ کہلاتے ہیں یا کوئی اور مقتدر قوت۔

یوں شریعت آپ کی آزادی کا جو دائرہ مقرر کرے گی وہ بھی کوئی چھوٹا نہیں۔ البتہ شریعت سے ___ بوساطت اہل علم ___ آپ کو برابر پوچھتے رہنا پڑے گا کہ آپ کی آزادی کہاں تک ہے اور کہاں آپ کی آزادی ختم ہو جاتی ہے۔

یوں شریعت کے معروف مسائل اور دین کے واضح حلال و حرام اور اللہ کی مقرر کردہ واضح حدیں ___ جن کو ہم نے شرعی مسلمات کا نام دیا ہے اور جن کی کچھ مثالیں پیچھے گزر گئی ہیں ___ خود بخود مسلم معاشرے پر واضح رہتی ہیں۔ یہ جب آپ اہل علم سے پوچھیں گے بھی تو وہ آپ کو وہی جواب دیں گے جو کہ دین میں معلوم اور مشہور ہے۔ اس میں جب کوئی اختلاف ہی نہیں تو اس کی بابت آپ کو ہر اہل علم ایک ہی بات بتائے گا۔ مثلاً سود کا حکم، شراب کا حکم، فحاشی و عریانی و بے حیائی کی حرمت، چوری یا زنا کا قابل حد ہونا وغیرہ، اس میں

کوئی 'اہل علم' اگر پوری اُمت کی راہ سے ہٹ کر آپ کو کچھ بتائے گا تو اس کی بددیانتی معلوم ہو جانا ذرہ بھر دشوار نہیں۔ اس میں کوئی آپ کو اُمت کی راہ سے ہٹ کر فتویٰ دے بھی دے۔ جیسا کہ 'شیخ الازہر' ایسے 'علماء' کے ہاں سے گاہے بگاھے صادر ہوتا رہتا ہے، اور جس کی کچھ کچھ اقتداء رفتہ رفتہ اب آپ کی 'نظریاتی کونسل' نے بھی شروع کر دی ہے۔ تو اس کے گمراہی ہونے کی جہاں اُمت کے ہزاروں علماء بیک آواز شہادت دیں گے وہاں ایک عامی بھی بغیر کسی دشواری کے یہ بات جاننے کی پوزیشن میں ہو گا کہ یہ ایک بددیانت 'فتویٰ' ہے۔ یہاں _____ یعنی مسلمات دین میں _____ ڈنڈی ماری کی ہی نہیں جاسکتی۔

یہ تو رہا دین کے معروف مسائل اور شریعت کے واضح واضح حلال و حرام کا معاملہ۔ یہاں سے، یعنی مسلمات شریعت کی غیر مشروط فرماں برداری سے... آپ کی ایک واضح جہت بن جائے گی۔ معاشی مسائل ہوں یا سماجی یا سول یا فوجداری یا تہذیبی اور ثقافتی... ہر میدان میں دین کے معروف مسلمات جب آپ سے آپ 'قانون' ہوں گے اور ان کے خلاف چلنا جب آپ سے آپ 'خلاف قانون' ہو گا تو بے شک ان مسلمات کی جزوی تفصیلات کے معاملہ میں آپ کو 'تحقیقات' یا 'فتاویٰ' کی ضرورت بھی ہوگی مگر 'کلیات' کی قانونی پابندی آپ کو خود بخود اس راہ پر ڈال دے گی کہ آپ شریعت کی جزئیات کی بابت اب کہیں نہ کہیں سے ضرور ہدایت لیں۔ 'کلیات شریعت' کی قانونی پابندی آپ کے پاس یہ گنجائش ہی نہ چھوڑے گی کہ 'جزئیات شریعت' کی بابت آپ اہل علم سے رہنمائی نہ لیں۔ یہی اس شریعت کی خوبصورتی ہے اور اس کی جامعیت بھی!!!

اب جزئیات شریعت کے لیے آپ جن اہل علم اصحاب سے بھی رہنمائی لیں گے جب تک وہ 'کلیات' کے اندر رہتے ہوئے دی اور لی جائے گی۔ جبکہ کلیات شریعت کے اندر رہنے کا مطلب ہر کس ناکس کو معلوم ہو سکتا ہے۔ تب تک وہ معاملہ ان حدود کے اندر ہی رہے گا جن سے نکلنا خدا کے قانون سے کھلی بغاوت نہیں۔ اسی لئے ہم نے عرض کیا ہے کہ جب یہ طے ہو جائے کہ 'کلیات دین' جو کہ بے انتہا واضح ہیں اور ہر کس و ناکس کو معلوم ہو سکتی ہیں۔ آپ سے آپ قانون ہیں تو 'جزئیات دین' ان کے ساتھ خود بخود چلی آئیں گی۔ ان کو آنے سے پھر آپ روک ہی نہ سکیں گے۔ جزئیات دین میں پھر آپ ایک طبقہ علم کی تعبیر پر انحصار کرتے ہیں یا دوسرے طبقہ علم کی تفسیر پر، ایک فقہ پر چلتے ہیں یا دوسری فقہ پر یا متعدد فقہوں کے کسی منتخب مجموعہ پر، جب تک اس کا حال 'شیخ الازہر' جیسا نہیں ہو جاتا (جس کا کہ دین کی کلیات و اساسیات کے خلاف فتوے دینا ہر کسی کو معلوم ہو جاتا ہے اور اس بات کی شہادت دینے کو امت کے سینکڑوں علماء اور ہزاروں داعی موجود ہوتے ہیں، حتیٰ کہ غیر مسلم جان جاتے ہیں کہ یہاں فتویٰ فروشی ہوتی ہے)، غرض فروعی احکام کی بابت کسی بھی ایک طبقہ علم کی تعبیر پر انحصار کرنا پھر آپ کے پاس خدا کے سامنے پیش کرنے کے لیے یقیناً ایک حجت ہو سکتا ہے۔

جزئیات و فروع کی حد تک بے شک آپ سب کے سب طبقہ ہائے علم کو خوش نہ کر پائیں پھر بھی کسی ایک قابل اعتماد طبقہ علم سے اگر آپ ایک بے لاگ انداز میں رہنمائی لیتے ہیں تو اس دائرے سے آپ بہر حال نکل آتے ہیں جس میں آپ پر خدا کی کھلی کھلی بغاوت کی

فرد جرم عائد ہوتی ہے۔

اس لحاظ سے شریعت کے احکام میں جو کلیات اور مسلمات پائے جاتے ہیں وہ بے شک تعداد میں بہت زیادہ نہیں مگر اپنی ماہیت میں وہ دین کا ایک بہت ہی بڑا اور بنیادی حصہ ہیں۔ ایمان لانا ہے تو وہ آپ کو ماننا ہی پڑیں گے۔ ان کو نہ جاننے کا کسی کے پاس عذر ہی نہیں۔ اس کے بعد اگلے مراحل پر آپ خود بخود مجبور ہوتے ہیں۔ شریعت کی 'کلیات' اگر قانون ہیں تو 'جزئیات' کی بابت کہیں نہ کہیں سے رہنمائی لئے بغیر گزارا ہی نہیں۔ چنانچہ کلیات کی قانونی حیثیت کا اعتراف خود ہی آپ کو 'جزئیات' کی کسی نہ کسی تعبیر کا پابند کر دے گا۔ 'جزئیات' کی بابت خدا نخواستہ کوئی کتنی بھی بددیانتی کرے گا ___ جس کا حساب خدا ہی کے ہاں جا کر ہو گا ___ پھر بھی 'جزئیات' کی کوئی غلط تعبیر جب تک کلیات کو ملایا میٹ نہیں کرتی ___ جیسا کہ ہم مصر کے معاملے میں مثال دے آئے ہیں ___ تب تک آپ کے خلاف خدا کے قانون سے کھلم کھلا خروج کر لینے کا حکم نہیں لگایا جائے گا۔

مثال کے طور پر: سود کی حرمت، دین کا ایک مسلمہ ہے۔ اس پر آپ کو کوئی فتویٰ نہیں چاہیے۔ یہ 'معلوم من الدین بالضرورة' ہے۔ سود کی حرمت کسی سے روپوش نہیں، الا یہ کہ کوئی کل ہی کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوا ہے۔ اب اگر "حرمتِ سود" کو 'قانون' تسلیم کر لیا جائے تو سودی معاملات خود بخود 'خلاف قانون' ہو جاتے ہیں۔ 'سود' کا مطلب اور مفہوم ایک حد تک ہر سمجھدار آدمی جانتا ہے۔ 'سودی لین دین' کے ذیل میں آنے والا ایک بہت ہی بڑا حصہ تمام فقہاء کے نزدیک متفقہ طور پر معروف اور حرام ہے۔ اس حد تک سود قطعی طور پر 'خلاف

قانون‘ ہو جاتا ہے۔ کوئی بھی مقننہ یا ادارہ یا محکمہ اس حد تک سود پر مشتمل قانون سازی کا مجاز نہیں رہتا۔ اس حد تک اگر ’فرماں برداری‘ کا مظاہرہ ہو جاتا ہے تو پھر اس کے بعد بہت سے معاملات ایسے رہ جائیں گے جن کی بابت یہ پوچھا جائے کہ آیا یہ سود بنتا ہے یا نہیں۔ یہاں آپ کو اہل علم سے رہنمائی چاہیے۔ یہ اہل علم طبقہ یا مجلس جس میں شرعی علم کی کم از کم شرط پوری ہونی چاہیے آپ کو ان معاملات میں خدا اور رسول کی منشا بتائے گی۔ اللہ اور رسول کے حوالے سے یہ آپ کو جو بات بتائے گی اس کو رد کرنے کے آپ یا آپ کا کوئی ادارہ یا محکمہ مجاز نہیں ہوگا۔ علماء کی یہ مجلس اب اگر فرعی معاملات میں لین دین Transaction کی کسی صورت کو بددیانتی کی بنا پر سند جواز دے دیتی ہے اور یہ سند جواز لینے والے بھی بددیانتی کی بنا پر ایسا کرتے ہیں... تو جب تک ایسا کسی جزوی معاملے میں ہوتا ہے اور اس کی (غلط) دلیل کے لیے حوالہ بہر حال شرعی مصادر ہی سے دیا جاتا ہے تب تک ہم ان کا معاملہ خدا پر چھوڑتے ہوئے اس کے ساتھ صرف جزوی اختلاف ہی کر سکیں گے... کیونکہ کلیات دین بدستور قانون مانے گئے ہیں اور مرجعیت اصولاً خدا کی شریعت کو حاصل ہے اور کیونکہ فقہ اسلامی کے قطعی و متفق علیہ امور کی تاحال مخالفت نہیں کی گئی۔

اسی طرح مثلاً شراب حرام ہے۔ ’شراب‘ کی قانونی تعریف بھی آپ ضرور کریں اور یہ تعریف کرنے میں آپ کو بہت وقت بھی درکار نہیں مگر شراب کی حرمت ایک عام سمجھ آنے والی چیز بھی ہے (شراب اور سود کی حرمت والی آیات عام لوگوں کو ہی سنائی گئی تھیں اور سب کو سمجھ آگئی تھیں!) اگر لوگ ’شراب‘ کے معنی سے واقف ہی نہیں ہو سکتے تو شریعت

’شراب‘ کو حرام کر کے ان کے علم میں آخر کس چیز کا اضافہ کر رہی تھی؟ چنانچہ ’شراب‘ کا جو مفہوم تمام فقہاء کے ہاں متفقہ ہے اور جس سے کہ معاشرے کا ایک متوسط شخص باسانی واقف ہو سکتا ہے، بلکہ ہے، اس کی حرمت آپ سے آپ واضح ہے۔ رہ گیا مشروب یا نبیذ کی کچھ خاص اقسام کا حکم، تو اس معاملہ میں اگر آپ کسی بھی معروف طبقہ علم کی رہنمائی لیتے ہیں تو خطرے کی اس حد سے ضرور باہر آجاتے ہیں جس میں رہنا صاف صاف جاہلیت ہے۔

اسی طرح فحاشی اور بے حیائی کا مسئلہ ہے۔ تھیٹر، سینما، ٹی وی، فلم اور میڈیا کے دیگر فورموں پر جو کچھ ہوتا ہے اور ان کو آپ کا قانون سند جواز دیتا ہے ایسی بیشتر سرگرمیوں کا جن کے حیا سوز اور اخلاق باختہ ہونے میں ذرہ بھر شک نہیں ___ حرام ہونا اور خلاف اسلام ہونا ایک عامی تک سے روپوش نہیں۔ اسلام کا ان بے حیا مظاہر کی بابت جو حکم ہے اور جو کہ ہر شخص کو معلوم ہے اس کو اگر قانون تسلیم کر لیا جاتا ہے اور اس کی خلاف ورزی ’قانون‘ کی خلاف ورزی مانی جاتی ہے تو پھر اس کے بعد صرف وہ معاملات رہ جاتے ہیں جو فقہی اختلاف کے زمرے میں شمار ہو سکتے ہیں۔ مثلاً چہرے کا پردہ واجب ہے یا مستحب، اس پر آپ جس طبقہ علم کی تفسیر پر بھی انحصار کرتے ہیں آپ اس خطرے سے بہر حال نکل آتے ہیں جو خدا کے قانون سے صاف صاف تصادم ہے۔

[آگے بڑھے](#)

[گزشتہ](#)